شیر محمد گریوال

محمد بن تغلق کے علما اور مشائخ کے ساتھ تعلقات

محمد بن تغلق (۲۵ - ۱۳۵۱ء) کا شمار برصغیر پاک و ہند کے عظیم مسلمان حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ وہ بیک وقت بہت سے اوصاف کا مالک تھا۔ اچھا جرنیل، بہتر منتظم، اعلیٰ درجے کا سیاست دان اور مدبر تھا۔ بقول ضیاء الدین برنی، جامۂ جہانبانی و قبائے جہانداری، تاج و تخت بادشاہی پیدا ہی اس کے لیے کیے گئے تھے۔ وہ اعلیٰ پائے کا عالم اور مقرر بھی تھا۔ عربی اور فارسی ادب میں مہارت رکھتا تھا۔ بہت بڑا سخن فہم تھا۔ اچھے اشعار اپنی تحریر و تقریر میں استعمال کرتا تھا۔ مروجہ علوم پر نظر رکھتا تھا۔ تمام طبیعات، کیمسٹری، حساب، منطق، فقہ، عقلیات اور تاریخ میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا، تقریباً سب مؤرخین اس کا اقرار کرتے ہیں لیکن ان خوبیوں کے باوجود مؤرخین نے محمد بن تغلق کی سیرت و کردار میں طرح طرح کے عیب بھی نکالے ہیں، اس کی سیاست و تدبر، ذکاوت و فراست، شجاعت و سخاوت، رحمدلی و رواداری، عدل گستری، عزیمت و دینداری کو ظلم و تعدی، خون ریزی و خون آشامی اور مکر و فریب میں بدل دیا ہے۔ علما اور مشائخ کے ساتھ محمد بن تغلق کے رویے کو تو اور بھی گھناؤنے طریقے سے پیش کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں اس کے خلاف یہ فرد جرم عائد کی جاتی ہے کہ سلطان جہانداری اور جہانبانی میں خود آزاد رہنا اور سیاست کو علما اور مشائخ کے اثر و رسوخ سے پاک رکھنا چاہتا تھا، اس لیے اس نے علما اور مشائخ کا زور توڑنے کے لیے کئی قسم کے طریقے اختیار کیے۔ انھیں نوع بنوع ایذائیں دیں، ذلیل و خوار کیا۔ قید و بند میں ڈالا اور بعض کو قتل کرانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ مثلاً مشہور فقیہ مولانا عفیف الدین کاشانی کو اور دو فقیہوں کو، سلسلہ سہروردیہ کے صوفی شیخ ہود اور شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد جام اور شیخ شمس الدین بن تاج العارفین ایسے دوسرے صوفیائے کرام کو قتل کرا دیا۔ سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ نصیر الدین محمود چراغ کو اپنا جامہ بردار مقرر کیا۔ اسی طرح فخر الدین زرادی، قطب الدین اور مخدوم جہانیاں وغیرہ مشائخ کو تنگ کیا۔

مولانا عفیف الدین کاشانی کے قتل کے سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ سلطان نے ایک دفعہ قحط کے زمانے میں دہلی کے باہر کنوئیں کھودنے اور کھیتی باڑی کرنے کا حکم دیا۔ مولانا موصوف نے سلطان کے اس اقدام کو خلاف شرع سمجھا اور اس کی مخالفت کی۔ سلطان نے مولانا کو قید کر دیا لیکن بعد ازاں رہا کر دیا۔ مگر پھر دوبارہ سلطان

اطلاع ملی کہ انھوں نے اپنے دو اور دوستوں سے سلطان کی برائی کی ہے۔ لہٰذا ان تینوں کو قتل کر دیا گیا۔ شیخ ہود کے ساتھ سلطان کے شروع میں تعلقات اچھے تھے، ان کو ملتان کے سلسلۂ سہروردیہ کے منصب پر بٹھانے کے لیے سلطان نے اہم کردار ادا کیا تھا، لیکن بعد میں تعلقات اچھے نہ رہ سکے۔ منقول ہے کہ سلطان کو اطلاع ملی تھی کہ خانقاہ کے وسائل کو غلط طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس پر سلطان نے خانقاہ کا تمام مال ضبط کرنے کا حکم دیا۔ پھر شیخ ہود نے بھاگ جانے کی کوشش کی مگر پکڑے گئے اور قتل کر دیے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی قسم کے واقعات شیخ شہاب الدین اور شیخ شمس الدین بن تاج العارفین کے ساتھ پیش آئے۔ اوّل الذکر نے سلطان کی مہربانیوں اور عنایات کے باوجود مخالفانہ رویہ اختیار کر لیا تھا۔ اور شیخ شمس الدین نے ایک باغی امیر کی تعریف کی تھی۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ تھے اور شیخ نظام الدین اولیا کی وفات کے بعد مسند نشین ہوئے تھے، اس سلسلے کی روایات کے مطابق حکومت کے انتظامی عہدے قبول کرنا مناسب نہیں تھا، اور جب سلطان نے اپنی خاص حکمتِ عملی کے تحت شیخ کو کسی خدمت پر مامور کرنا چاہا تو شیخ نے انکار کر دیا۔ اگر کسی مصلحت کے تحت قبول کیا تو بادلِ نخواستہ، لہٰذا سلطان اور شیخ کے تعلقات میں تلخی بڑھتی گئی۔ شیخ فخر الدین زرادی، شیخ قطب الدین منور، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری وغیرہ مشائخ کے ساتھ بھی سلطان کے تعلقات کی نوعیت تقریباً وہی تھی جو نصیر الدین چراغِ دہلی کے ساتھ تھی۔ یہ تھے مختصر طور پر وہ حالات و واقعات جن کو سلطان کے علما اور مشائخ کے تعلقات کے بارے میں پیش کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس نوعیت کے واقعات کے پیشِ نظر سلطان کے علما اور مشائخ کے ساتھ رویّے کے متعلق کوئی اچھی تصویر سامنے نہیں آئے گی۔

سلطان خواہ کتنا ہی حق بجانب کیوں نہ تھا لیکن پھر بھی ان حالات و واقعات سے سلطان کے علما اور مشائخ کے ساتھ سخت گیری کی پالیسی واضح ہوتی ہے۔ لیکن اگر حالات و واقعات کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے اور تاریخی تنقید کے اصولوں سے کام لیا جائے تو سلطان پر شاید یہ فردِ جرم عائد نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں پہلا تنقیدی تبصرہ تو یہ ہوگا کہ محمد بن تغلق کے علما اور مشائخ کے ساتھ تعلقات کے بارے میں سخت گیری کے جتنے بھی واقعات مرتب ہوئے ہیں ایک تو اُن کی صحت مشکوک ہے، پھر اُن کے لکھنے والوں میں تعصب کی بو آتی ہے۔ ان واقعات کی بنیاد زیادہ تر ضیاء الدین برنی، ابن بطوطہ اور عصامی کے بیانات پر مبنی ہے اور پھر بعد کے دور کے مورخین نے ان کے بیانات پر اور بھی نمک مرچ لگایا ہے۔ بلاشبہ مشائخ کے ملفوظات، مکتوبات اور تذکروں کو ہمارے ہاں بہت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے لیکن اگر ان کی نسبت انسانوں سے ہے تو انھیں غلطیوں سے مبرّا قرار نہیں

دیا جا سکتا اور بعض تذکرہ نگاروں نے اس ضمن میں سلاطین دہلی سے متعلق ایسی عجیب عجیب باتیں لکھی ہیں جو تاریخی تنقید سے نہیں بچ سکتیں۔ اوروں کو تو جانے دیجیے خود محمد بن تغلق کے بعض ہم عصر مؤرخین انصاف نہیں کر سکے اور اپنی ذاتی رنجشوں کی وجہ سے سلطان کے متعلق بے سر و پا باتیں لکھ گئے ہیں۔ پھر افسوس تو یہ ہے کہ سلطان کی اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی کوئی ڈائری یا کتاب یا تزک نہیں ہے۔ مغل شہنشاہ تو اپنی ڈائریاں اور تزک بھی اپنی زندگی میں لکھ گئے یا انھوں نے اپنے حکم سے تاریخ کی کتابیں مرتب کرائی تھیں۔ اب جبکہ سلطان محمد بن تغلق سے مخاصمت و عناد رکھنے والوں کے بیانات تو موجود ہیں اور سلطان کا اپنا کوئی بیان نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ سلطان کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔ ضیاء الدین برنی اگرچہ دربار سے منسلک تھا اور انصاف پسند مؤرخ ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ لیکن دل میں سلطان سے رنجش رکھتا ہے اور اس رنجش کا اظہار اپنی تاریخ میں جلے کٹے الفاظ میں کرتا ہے۔ ابن بطوطہ افریقہ سے آیا تھا۔ سلطان نے اس کی بڑی عزت و آؤ بھگت کی۔ قاضی مقرر کیا اور بعد ازاں چین کا سفیر بھی مقرر کیا لیکن احسان کا بدلہ یہ دیتا ہے کہ قائنیوں کے عیب جینوں میں شامل ہو جاتا ہے اور قید کر لیا جاتا ہے۔ سلطان کے ساتھ تعلقات میں تلخی بڑھنے لگتی ہے اور اس تلخی کے اثرات سے اس کی تحریر محفوظ نہیں رہتی۔ عصامی کے نوے سالہ بوڑھے دادا عز الدین کو سلطان نے دولت آباد (دکن) بھیج دیا تھا، ان دنوں عصامی کی عمر سولہ سال تھی، یہ اپنے دادا کے ساتھ تھا۔ بدیں وجہ وہ سلطان سے نہ صرف شاکی رہا بلکہ سلطان کے دشمنوں کی تعریفیں کیں اور سلطان کی برائیاں قلم بند کرتا رہا۔ قطع نظر اس بحث کے اگر علما اور مشائخ کے متعلق سلطان کے رویے میں سخت گیری کے واقعات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو سلطان کے گناہوں کا پلہ شاید اس کی نیکیوں کے پلے سے بھاری نہ ہو۔ تقریباً سبھی مؤرخین ان باتوں سے متفق ہیں کہ وہ دینی علوم کا ماہر تھا، اجتہاد کا قائل تھا، شرع کا پابند تھا، نماز روزہ کا پورا اہتمام کرتا تھا۔ غالباً سلاطین میں یہ پہلا حکمران ہے جس نے حکماً لوگوں سے نماز پڑھائی۔ یہ اس کا عام حکم تھا کہ جو مسلمان نماز نہ پڑھے، اسے سزا دی جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ دہلی کے بازاروں میں نماز سیکھتے پھرتے تھے۔ تمام وسائل اور آسانیاں ہونے کے باوجود شراب کبھی منھ کو نہ لگائی، نہ خود شراب پیتا اور نہ کسی کو پینے دیتا تھا۔ شراب حکماً بند تھی۔ دوسری سماجی برائیوں پر بھی اس کی کڑی نگاہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت رکھتا تھا۔ امور سلطنت فرازملک کبیر، احمد ایاز اور دیگر امرا کے ہاتھوں میں دے کر حج بیت اللہ بھی کرنا چاہتا تھا۔ علما اور صوفیا کی اکثریت سے اس کے تعلقات اچھے تھے۔ مشہور صوفی حضرت بابا فرید الدین شکر گنج کے پوتے شیخ علاء الدین اجودھنی کا مرید تھا۔

شیخ رکن الدین ابوالفتح کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے اور ملتان کی سہروردیہ خانقاہ کا بہت احترام کرتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کے دور میں علما نے اپنے بنیادی کام یعنی درس و تدریس کو پہچانا اور اس اہم مسند پر پرفائز رہے۔ سلطان نے ان کے اس بنیادی کام میں کبھی مداخلت نہیں کی۔ مولانا ضیاء الدین بخشی، مولانا معین الدین عمرانی وغیرہ علما سے سلطان کا کوئی اختلاف یا تصادم نہ تھا۔ بحیثیت مجموعی اس کے علما اور مشائخ سے اچھے تعلقات تھے۔ اس نے نظام الدین اولیا کے جنازے کو کندھا دیا تھا۔ بیرون ملک سے آئے ہوئے علما کا قدردان تھا۔ ابن بطوطہ کے ساتھ اس نے بڑا احسان کیا، اس کو اپنی سلطنت کا قاضی مقرر کیا۔ دیگر غیر ملکی علما میں مولانا ناصر الدین واعظ ترمذی اور مولانا عبدالعزیز اردبیلی کے ساتھ نہایت ہی اچھے مراسم تھے۔ اس کے اس وصف کی شہرت مصر، عراق، خراسان اور شام کے علاقوں تک پہنچ گئی تھی۔ بقول خلیق نظامی دمشق میں شہاب الدین عمری کو ایک فقیہ مولانا عمر بن اسحاق نے یہ اطلاع دی تھی کہ سلطان محمد تغلق سفر و حضر کسی حالت میں بھی علما سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ سلطان نے قابل علما کو اپنے دربار میں جمع کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ خلیق احمد نظامی ہی کے الفاظ میں شیخ ابوبکر بن خلال کو مع چند علما کے سمرقند بھیجا تاکہ شیخ برہان الدین کو ہندوستان آنے پر آمادہ کریں۔ سلطان نے چالیس ہزار تنکے (سکہ رائج الوقت) ان کے سفر خرچ کے لیے بھیجے۔ مولانا معین الدین عمرانی کو قاضی جند کے پاس بھیج کر درخواست کی کہ وہ اپنی کتاب اس کے نام معنون کر دیں۔ مشہور عالم مولانا مجدالدین کو سلطان نے شہزادہ دمشقی کے ہاتھ دس ہزار تنکے بھیجے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ دو موفقیہ سلطان کے دستر خوان پر موجود ہوتے تھے، اور کھانا کھانے کے دوران وہ علما سے مختلف مسائل میں تبادل خیال کیا کرتا تھا۔ ماہ رمضان میں علما اس کی مجلس میں موجود رہتے تھے اور اس کے ساتھ افطار کرتے تھے۔ جب سلطان کسی مہم پر جاتا تو امام اور علما اس کے گرد حلقہ بنائے رکھتے تھے۔ بقول نظامی سلطان نے اپنی لڑکیوں کی شادیاں بھی علمی گھرانوں میں کی تھیں۔ اس کے داماد ملک العلما یا شیخ الاسلام یا صدر جہان کے بیٹے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلطان نے ہزاروں فقہا درس و تدریس کے لیے مقرر کیے تھے شاہی خزانے سے ان کو تنخواہیں ملتی تھیں۔ سلطان، مشائخ کے جنازوں میں شامل ہوتا اور ان کی قبروں پر جاکر دعا کیا کرتا تھا۔ ان سب باتوں کا مطلب کیا تھا؟ اس صورت حال کی موجودگی میں یہ دعویٰ کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ وہ علما و مشائخ کا مخالف تھا۔ کیا وہ سیاست میں علما اور مشائخ کے اثر و رسوخ کو ختم کرنا چاہتا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ علما اور مشائخ کو سیاسی ذمہ داریاں سونپنا چاہتا تھا۔ یہ کہنا محل نظر ہے کہ سلطان نے حضرت

الدین چراغ دہلی کو تکلیف پہنچانے کے لیے خاص طور پر کیا تھا، در اصل وہ ان کو کچھ انتظامی ذمہ داریاں ناچاہتا تھا۔ سلطان محمد تغلق اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا بڑا شیدائی تھا۔ وہ صرف دہلی ہی میں علما یادہ اجتماع کا حامی نہ تھا، اسی لیے اس نے شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے کہا تھا وہ دہلی کے بجائے کشمیر اور اس کفرستان میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ دیوگیر یعنی دولت آباد کو متبادل دار الخلافہ بنانے کا بھی ایک یہی جذبہ تھا کہ دکن میں اسلام کی اشاعت اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو ترقی دی جائے۔ اور اس ب العین کی آبیاری کے لیے وہ علما اور مشائخ ہی کو حکم دے سکتا تھا کہ وہ دہلی سے دیوگیر (دولت آباد) چلے ں۔ وہ اس مقصد کے حصول کے لیے غیر علما یا غیر مسلموں کو تو نہیں بھیج سکتا تھا۔ علما اور مشائخ ہی کو جانے کا حکم دیا جا سکتا تھا۔ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی، جسے ظلم سے تعبیر کیا جائے، یا سختی اور تشدد کے سے موسوم کیا جائے۔ علما اور مشائخ، دہلی چھوڑ کر وہاں نہیں جانا چاہتے تھے تو یہ الگ بحث ہے۔ بلاشبہ مسئلے میں محمد بن تغلق اور بعض علما اور مشائخ کے درمیان اختلاف یا تصادم کی صورت پیدا ہوئی اور تلخیاں میں۔ لیکن بادشاہ کا منشا نیک تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ دیوگیر (دولت آباد) کو متبادل دار الخلافہ بنانے سے ن میں اسلام کی زیادہ اشاعت ہوئی اور اسلامی تہذیب و تمدن نے وہاں ترقی کی منزلیں طے کیں۔ اگر تغلق یہ اقدام نہ کرتا تو جنوبی ہندوستان میں اسلام کے پاؤں نہ جمتے۔ دیوگیر کو دار الخلافہ بنا کر محمد بن تغلق نے عظیم کارنامہ سر انجام دیا، جو علما اور مشائخ، دہلی میں بیٹھ کر نہیں کر سکتے تھے۔

علاوہ ازیں وہ اسلام کو اس کی اصلی شکل و صورت دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ خود فقہ کا ماہر تھا، روشن خیال تھا۔ دعات کو پسند نہیں کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ علما اور مشائخ کی خانقاہوں میں کچھ غیر شرعی امور غیر شعوری طور پر گھس آئے ہوں اور اس کا ازالہ کرنا اس کے پیش نظر ہو۔ اس سلسلے میں بقول خلیق نظامی اور سید صباح الدین وہ اپنے ہم عصر عالم امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے بہت متاثر تھا۔ امام ابن تیمیہ بہت بڑے مجتہد اور مصلح دین تھے۔ ان کی شہرت شق سے چین تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کی تعلیمات سے ہندوستان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ امام ابن تیمیہ کے ایک شاگرد شیخ عبدالعزیز اردبیلی، محمد بن تغلق کے دربار سے منسلک ہو گئے تھے۔ انھوں نے یہاں اپنے استاذ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات اور اصلاحی نظریات کو پھیلایا —— بہر حال اگر سلطان اور علما و مشائخ کے درمیان کوئی اختلاف ہوا تو وہ ذاتیات کا اختلاف نہ تھا، دین کی نشر و اشاعت کے لیے اصول کا اختلاف تھا۔ دور حاضر کے مورخین میں آغا مہدی حسین اور ایشوری پرشاد وغیرہ نے بھی ایسی صورت حال کی نشاندہی کی ہے۔